تقریر

تقریر بابت ایمان
وقت 5-7 منٹ

إِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ، فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ- وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُقِيمٍ- إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ (الحجر:76-78)

کہ یقیناً اس واقعہ میں کھوج لگانے والوں کے لیے نشانات ہیں اور وہ بستی یقیناً ایک مستقل شاہراہ پر واقع ہے۔یقیناً اس میں مؤمنوں کے لئے ایک بہت بڑا نشان ہے۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(درِ ثمین)

معزز سامعین! مجھے آج ایک حدیث نبوی پر کچھ کہنا ہے یعنی إِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ جس کے معنی ہیں کہ مؤمن کی فراست سے ڈرو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے (عطا کردہ) نور سے دیکھتا ہے۔ آج میری تقریر کے دو حصّے ہیں۔ ایک إِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ کہ مؤمن کی فراست سے ڈرو اور دوم فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ جس کے معنی ہیں کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے (عطا کردہ) نور سے دیکھتا ہے۔ مکمل حدیث یوں ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ، ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ

(سنن ترمذی کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث:3127)

یعنی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی فراست سے ڈرو (بچو) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے (عطا کردہ) نور سے دیکھتا ہے۔ پھر آپ نے آیت إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ- بیشک اس میں نشانیاں ہیں سمجھ داروں کے لیے ہے، تلاوت فرمائی۔ کسی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی دی گئی روشنی سے دیکھتا ہے۔

فراست کے بنیادی معنی ذہانت، تیز فہمی، دانائی اور بُوجھ لینے کی صلاحیت کے ہیں۔ اس سے مراد کسی شخص کی ظاہری حالت، چہرے کے تاثرات یا اندازِ گفتگو سے اس کے اندرونی حالات، نیّت یا آئندہ کے نتائج کو بھانپ لینا ہوتا ہے۔ اسے قیافہ شناسی، بصیرت یا گہری سمجھ بھی کہا جاتا ہے۔

ہماری زبان میں فراست کے معنوں کے لیے ایک لفظ استعمال ہو سکتا ہے گو بالعموم اس کا استعمال اچھے معنوں میں نہیں ہوتا وہ "تاڑ جانے" کے ہیں اور تاڑ جانے کی قوّت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے اس کی یہ کیفیت ایک مَلَکہ (یعنی مہارت، قابلیت) سے کم نہیں ہوتی جو تجربہ کی کثرت اور علم کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدّد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی انسان صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والا ایسا سمجھتا ہے کہ گویا وہ غیب کی باتیں بیان کر رہا ہے حالانکہ اس کا علم تمام تر ظاہری علامتوں اور نشانیوں پر مبنی ہوتا ہے اور فراست کا ملکہ نیک وبد دونوں میں ہو سکتا ہے۔

لکھا ہے کہ فراست، علم کے پانچ غیر مادّی ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جو حواس خمسہ کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ پہلا درجہ "فراست "دوسرا "حدس"تیسرا "کشف " چوتھا " الہام " اور پانچواں درجہ " وحی " کا ہے۔ دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات پر اللہ کے نور سے آگاہ ہونا۔

(فرہنگ اصطلاحات تصوّف، صفحہ 132، غازی عبدالکبیر منصور پوری، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک لفظِ"فراست"دو معنوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے:

1۔ ایک معنی تو وہ ہے جس پر حدیث کے ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی انوار کی برکت سے اپنے اولیاء کے دلوں پر لوگوں کے احوال منکشف فرما دیتا ہے۔

2۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے تجربات کی بنیاد پر لوگوں کے اخلاق وعادات میں غور کرکے ان کے احوال سے باخبر ہو جائے۔

(قوّت المغتذی علی جامع الترمذی)

ملّا علی قاری رحمہ اللہ "مرقاۃ المفاتیح فی شرح مشکاۃ المصابیح "میں لکھتے ہیں:

"فراست وہ علم ہے جس میں علامات واحوال کے ذریعے سے امورِ غیبیہ منکشف ہوتے ہیں۔ الہام اور فراست میں یہی فرق ہے کہ فراست میں علامات واحوال کے ذریعے سے امورِ غیبیہ منکشف ہوتے ہیں، جب کہ الہام میں امورِ غیبیہ براہِ راست (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) منکشف ہوتے ہیں۔"

سامعین! مؤمن کی فراست سے بچنے کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ دانش مند مؤمن کے ساتھ چالبازی اور چالاکی سے بچو۔ کیوں کہ وہ حکمت (wisdom) کی روشنی میں اپنے معاملات کو حل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور خدا رسیدہ لوگوں کی خداداد فراست اور دانشمندی سے بچنا چاہئے۔ کہتے ہیں اور یہ آزمودہ نسخہ ہے کہ آپ جب خدا والے بندے سے ملنے کا ارادہ کریں تو صدقہ دیں، استغفار کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کے اَحوال اُس پر غیبی مدد سے آشکار کر سکتا ہے۔ ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے کہ آپ جب خلیفۃ المسیح سے ملاقات کا ارادہ کریں یا دعائیہ خط ہی لکھنے کی نیّت کریں تو اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، استغفار کریں، صدقہ دیں تا ہماری کمیوں اور کمزوریوں کی پردہ پوشی ہو سکے۔ وہ اللہ کے دیئے ہوئے نور سے دیکھتا ہے۔ وہ اس کا اظہار کرے نہ کرے مگر ملاقاتی کی اندرونی کیفیت سے خلیفۃ المسیح کو اکثر آگاہی ہو جاتی ہے۔

فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ

سامعین! اللہ کے نور سے دیکھنے کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس میں نبی اور رسول کے چہرے پر نور اور چہرہ شناس صحابہ کی دور اندیشی ایک الگ مضمون ہے اور قوم میں سے نیک، صالح اور متّقی لوگوں کے چہروں کو انبیاء کا پڑھنا اور اُنہیں اپنے ساتھ ملانا بھی خداداد نور سے دیکھنا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت اَبو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرے کو دیکھنا، جانچنا اور شناسائی کی مثال دے سکتے ہیں۔ اِس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعودؑ کا حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ سے ابتدائی تعارف اور تعلق بھی اسی خداداد نور سے حاصل ہوا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

"وہ میرے ربّ کی آیت میں سے ایک آیت ہے"، "مجھ کو اس کے ملنے سے ایسی خوشی ہوئی کہ گویا جدا شدہ عضو مل گیا" اور "اس کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے"

(ترجمہ از آئینہ کمالات اسلام طبع اوّل صفحہ 581-582)

یہ بابرکت الفاظ جو سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی قلمِ مبارک یا زبانِ مبارک سے نکلے ان کا مصداق وہ بابرکت وجود ہے جو برِصغیر کی تاریخ میں حکیمُ الامت حضرت حاجی الحرمین مولانا حکیم نورالدین کے نام سے خوب متعارف ہے۔ آپ کی سعادت اور خوش بختی کہ آپ کے بارہ میں حضرت امام الزمان مہدیٔ دوراں علیہ السلام کی زبان اور قلم سے وہ کلمات جاری ہوئے جو واقعی بے مثل اور انتہائی قابل رشک ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز اور سعادت بھی عطا فرمائی کہ آپ کو مسیح الزمان کے خلیفۂ اوّل کے طور پر چھ سال تک جماعت احمدیہ عالمگیر کی قیادت اور راہنمائی کی توفیق ملی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

حضرت مولانا حکیم نورالدینؓ فرماتے ہیں:

"مجھے نہایت طلب اور جستجو تھی اور مَیں صادقوں کی ندا کا منتظر تھا۔ اسی اثناء میں مجھے حضرت السید الاجل اور بہت ہی بڑے علّامہ اس صدی کے مجدّد مہدی الزماں مسیح دوراں اور مؤلف براہین احمدیہ کی طرف سے خوشخبری ملی۔ مَیں ان کے پاس پہنچا تا حقیقت حال کا مشاہدہ کروں۔ مَیں نے فوراً بھانپ لیا کہ یہی موعود حکم وعدل ہے اور

یہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تجدیدِ دین کے لئے مقرّر فرمایا ہے۔ مَیں نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور لبیک کہا اور اس عظیم الشان احسان پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گیا۔ اے ارحم الراحمین خدا! تیری حمد، تیرا شکر اور تیرا احسان ہے۔ پھر مَیں نے مہدی الزمان کی محبت کو اختیار کر لیا اور آپ کی بیعت صدق دل سے کی یہاں تک کہ مجھے آپ کی مہربانی اور لطف و کرم نے ڈھانپ لیا اور مَیں دل کی گہرائیوں سے ان سے محبت کرنے لگا۔ مَیں نے انہیں اپنی جائیداد اور اپنے سارے اموال پر ترجیح دی بلکہ اپنی جان، اپنے اہل و عیال اور والدین اور اپنے سب عزیز و اقارب پر انہیں مقدّم جانا۔ ان کے علم و عرفان نے میرے دل کو والہ و شیدا بنا لیا۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے میرے لئے ان کی ملاقات مقدّر فرمائی اور یہ میری خوش بختی ہے کہ مَیں نے انہیں باقی سب لوگوں پر ترجیح دی اور مَیں ان کی خدمت کے لئے اس جاں نثار کی طرح کمر بستہ ہو گیا جو کسی میدان میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔ پس اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ پر احسان فرمایا اور وہ بہتر احسان کرنے والا ہے۔“

(حیاتِ نور صفحہ 111-112 بحوالہ کرامات الصادقین)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس زندگی بخش اور انقلاب آفریں رابطہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے جب پہلی مرتبہ 1884ء میں مخالفین اسلام کے لئے نشان نمائی کی دعوت پر اشتہار عام شائع فرمایا تو یہ اشتہار حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کو بھی ریاست جموں و کشمیر میں ملا اس اشتہار نے عملاً آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کی پُر لطف اور ایمان افروز تفصیل حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”فوراً اس اشتہار کے مطابق... تحقیق کے واسطے قادیان کی طرف چل پڑا اور روانگی سے پہلے اور دوران سفر میں اور پھر قادیان کے قریب پہنچ کر قادیان کو دیکھتے ہی نہایت اضطراب اور کپکپا دینے والے دل سے دعائیں کیں۔ جب قادیان پہنچا تو جہاں میرا یکہ ٹھہرا وہاں ایک بڑا محراب دار دروازہ نظر آیا۔ جس کے اندر چارپائی پر ایک بڑا ذی وجاہت آدمی بیٹھا نظر آیا۔ میں نے یکہ بان سے پوچھا کہ مرزا صاحب کا مکان کونسا ہے؟ جس کے جواب میں اس نے اس رشائل مشبّہ داڑھی والے کی طرف جو اس چارپائی پر بیٹھا تھا، اشارہ کیا کہ یہی مرزا صاحب ہیں۔ مگر خدا کی شان! اس کی شکل دیکھتے ہی میرے دل میں ایسا انقباض پیدا ہوا کہ مَیں نے یکے والے سے کہا کہ ذرا ٹھہرو مَیں بھی تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا اور وہاں مَیں نے تھوڑی دیر کے واسطے بھی ٹھہرنا گوارہ نہ کیا۔ اس شخص کی شکل ہی میرے لئے ایسی صدمہ دہ تھی کہ جس کو مَیں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ آخر طوعاً و کرہاً اس (مرزا امام الدین) کے پاس پہنچا۔ میرا دل ایسا منقبض اور اس کی شکل سے متنفّر تھا کہ مَیں نے السلام علیکم تک بھی نہ کہا کیونکہ میرا دل برداشت ہی نہیں کرتا تھا۔ الگ ایک خالی چارپائی پڑی تھی۔ اس پر مَیں بیٹھ گیا اور دل میں ایسا اضطراب اور تکلیف تھی کہ جس کے بیان کرنے میں وہم ہوتا ہے کہ لوگ مبالغہ نہ سمجھیں۔ بہر حال مَیں وہاں بیٹھ گیا۔ دل میں سخت متحیّر تھا کہ مَیں یہاں آیا کیوں؟

ایسے اضطراب اور تشویش کی حالت میں اس مرزا نے خود ہی مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ مَیں نے نہایت روکھے الفاظ اور کبیدہ دل سے کہا کہ پہاڑ کی طرف سے آیا ہوں۔ تب اس نے جواب میں کہا کہ آپ کا نام نورالدین ہے؟ اور آپ جموں سے آئے ہیں؟ اور غالباً آپ مرزا صاحب سے ملنے آئے ہوں گے؟ بس یہی لفظ تھا جس نے میرے دل کو کسی قدر ٹھنڈا کیا اور مجھے یقین ہوا کہ یہ شخص جو مجھے بتایا گیا ہے مرزا صاحب نہیں ہے۔ میرے دل نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ مَیں اس سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں؟ مَیں نے کہا کہ ہاں اگر آپ مجھے مرزا صاحب کے مکانات کا پتہ دیں تو بہت ہی اچھا ہو گا۔ اس پر اس نے ایک آدمی مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا اور مجھے بتایا کہ ان کا مکان اس مکان سے باہر ہے۔ اتنے میں حضرت اقدس نے اس آدمی کے ہاتھ لکھ بھیجا کہ نماز عصر کے وقت ملاقات کریں۔ یہ بات معلوم کر کے مَیں معاً اُٹھ کھڑا ہوا۔“

”چنانچہ آپ اس وقت سیڑھیوں سے اُترے۔ تو مَیں نے دیکھتے ہی کہا کہ یہی مرزا ہے اور اس پر مَیں سارا ہی قربان ہو جاؤں۔“

”حضرت اقدس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ مَیں ہواخوری کے واسطے جاتا ہوں کیا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے؟ مَیں نے عرض کیا کہ ہاں! چنانچہ آپ دور تک میرے ساتھ چلے گئے اور مجھے یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ آپ جلد واپس آجاویں گے۔ حالانکہ مَیں ملازم تھا اور بیعت وغیرہ کا سلسلہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ مَیں پھر آگیا اور ایسا آیا کہ یہیں کا ہو رہا۔“

(حیاتِ نور صفحہ 115-116)

روایت میں آتا ہے کہ حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ نے اپنی اس پہلی ملاقات میں ہی حضرت اقدس مسیح پاک علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میری بیعت قبول فرمائیں۔ حضرت اقدس نے جواباً فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت اور حکم نہ ہو۔ مَیں اس بارہ میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اس پر حضرت مولانا کی پاک اور نورانی فطرت وفورِ محبت سے بول اٹھی اور آپ نے بصد ادب عرض کیا کہ پھر حضور یہ منظور فرمالیں کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیعت لینے کا

حکم آیا تو سب سے پہلے اس عاجز کو بیعت کرنے کا شرف عطا فرمائیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا ٹھیک ہے ان شاءاللہ ۔ وقت آنے پر آپ کو ہی سب سے پہلے بیعت کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

وقت آنے پر حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اپنے اس وعدہ کو خوب یاد رکھا اور حاجی الحرمین مولانا حکیم نورالدینؓ کو یہ تاریخی شرف نصیب ہوا کہ آپ نے دورِ آخرین میں حضرت امام مہدی اور مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر سب سے پہلے بیعت کرکے اول المبایعین کا تاریخ ساز اعزاز پایا۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک زِ اُمّت نورِدیں بودے!

ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہونے پر حضرت مولانا کی قلبی کیفیت اور خوشی کا کسی قدر ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس جگہ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جب حضرت مسیح الزمان علیہ السلام کو نورالدین جیسا گوہر آبدار ملا تو آپ کے قلب اطہر کے جذبات کا کیا عالم تھا۔ آپ نے فرمایا:

"جب سے مَیں اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے مامور کیا گیا ہوں اور حیّ و قیوم کی طرف سے زندہ کیا گیا ہوں۔ دین کے چیدہ مددگاروں کی طرف شوق کرتا ہوں اور وہ شوق اس شوق سے بڑھ کر ہے جو ایک پیاسے کو پانی کی طرف ہوتا ہے اور مَیں رات دن خداتعالیٰ کے حضور میں چلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے میرے رب! میرا کون ناصر و مددگار ہے۔ مَیں تنہا اور ذلیل ہوں۔ پس جبکہ دعا کا ہاتھ پے درپے اُٹھا اور آسمان کی فضا میری دعا سے بھر گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری عاجزی اور دعا کو قبول کیا اور رب العالمین کی رحمت نے جوش مارا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک مخلص صدیق عطا فرمایا جو میرے مددگاروں کی آنکھ ہے اور میرے ان مخلص دوستوں کا خلاصہ ہے جو دین کے بارے میں میرے دوست ہیں۔ اس کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے۔ وہ جائے ولادت کے لحاظ سے بھیروی اور نسب کے لحاظ سے قریشی ہاشمی ہے جو کہ اسلام کے سرداروں میں سے اور شریف والدین کی اولاد میں سے ہے۔ پس مجھ کو اس سے ایسی خوشی ہوئی گویا کوئی جدا شدہ عضو مل گیا اور ایسا سرور ہوا جس طرح کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاروقؓ کے ملنے سے خوش ہوئے تھے۔

اور جب وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے ملا اور میری نظر اس پر پڑی تو مَیں نے اس کو دیکھا کہ وہ میرے ربّ کی آیات میں سے ایک آیت ہے اور مجھے یقین ہوگیا کہ میری دعا کا نتیجہ ہے جس پر مَیں مداوت کرتا تھا اور میری فراست نے مجھے بتادیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے۔"

(ترجمہ از آئینہ کمالات اسلام طبع اوّل صفحہ 581-582)

حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کی مبارک عادت تھی کہ آپ کمال ادب اور احترام سے حضرت اقدسؑ کی مجلس میں آتے اور خاموشی سے اکتساب فیض فرماتے۔ حضرت مولوی صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے جو کچھ پایا ہے جو کچھ سیکھا ہے اپنے پیارے مطاع و امام سے سیکھا اور پایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"لوگ اکسیر اور سنگ پارس تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ میرے لئے تو حضرت مرزا صاحب پارس تھے۔ مَیں نے ان کو چھوا تو بادشاہ بن گیا۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر ارشاد بلکہ اشارہ اور خواہش کی فی الفور تعمیل آپ کا نمایاں وصف تھا۔ آپؑ نے حضرت مولانا کے بارہ میں فرمایا ہے:

"میرے ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفّس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔"

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کا بیان ہے کہ:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے جس قدر آدمی ہیں۔ سب کو حضور علیہ السلام سے اپنے اپنے طریق پر محبت تھی مگر جس قدر ادب و محبت حضور خلیفہ اولؓ کو تھی۔ اس کی نظیر تلاش کرنی مشکل ہے۔ چنانچہ ایک دن مَیں حضرت مولوی صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ وہاں ذکر ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی دوست کو اپنی لڑکی کا رشتہ کسی احمدی دوست سے کردینے کے لئے کہا مگر وہ دوست راضی نہ ہوا۔ اتفاقاً اس وقت مرحومہ امۃ الحی صاحبہ جو اس وقت بہت چھوٹی تھیں کھیلتی ہوئی سامنے آگئیں۔ حضرت مولوی صاحب اس دوست کا ذکر سن کر جوش سے فرمانے لگے، مجھے تو مرزا کہے کہ اپنی لڑکی نہالی کے لڑکے کو دے دو۔ تو مَیں بغیر کسی انقباض کے فوراً دے دوں گا۔ یہ کلمہ سخت عشق و محبت کا تھا۔ مگر نتیجہ دیکھ لو کہ بالآخر وہی لڑکی حضور علیہ السلام کی بہو بنی اور اس شخص کی زوجیت میں آئی جو خود حضرت مسیح موعود کا حسن واحسان میں نظیر تھا۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"جس کو روحانی طور پر خَلقِ آخر کہتے ہیں۔ اس مرتبہ پر خداتعالیٰ اپنی ذاتی محبت کا ایک افروختہ شعلہ جس کو دوسرے لفظوں میں روح کہتے ہیں مؤمن کے دل پر نازل کرتا ہے اور اس سے تمام تاریکیوں اور آلائشوں اور کمزوریوں کو دور کردیتا ہے اور اس روح کے پھونکنے کے ساتھ ہی وہ حسن جو ادنیٰ مرتبہ پر تھا کمال کو پہنچ جاتا ہے اور ایک

روحانی آب و تاب پیدا ہو جاتی ہے اور گندی زندگی کی کبودگی بکلّی دور ہو جاتی ہے اور مؤمن اپنے اندر محسوس کرلیتا ہے کہ ایک نئی روح اُس کے اندر داخل ہو گئی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ اُس روح کے ملنے سے ایک عجیب سکینت اور اطمینان مؤمن کو حاصل ہو جاتی ہے اور محبتِ ذاتیہ ایک فوّارہ کی طرح جوش مارتی اور عبودیت کے پودہ کی آبپاشی کرتی ہے اور وہ آگ جو پہلے ایک معمولی گرمی کی حد تک تھی اس درجہ پر وہ تمام و کمال افروختہ ہو جاتی ہے اور انسانی وجود کے تمام خس و خاشاک کو جلا کر الوہیت کا قبضہ اس پر کر دیتی ہے اور وہ آگ تمام اعضاء پر احاطہ کرلیتی ہے۔ تب اُس لوہے کی مانند جو نہایت درجہ آگ میں تپایا جائے یہاں تک کہ سرخ ہو جائے اور آگ کے رنگ پر ہو جائے۔ اس مؤمن سے الوہیت کے آثار اور افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لوہا بھی اس درجہ پر آگ کے آثار اور افعال ظاہر کرتا ہے مگر یہ نہیں کہ وہ مؤمن خدا ہو گیا ہے بلکہ محبتِ الٰہیہ کا کچھ ایسا ہی خاصّہ ہے جو اپنے رنگ میں ظاہر وجود کو لے آتی ہے اور باطن میں عبودیت اور اس کا ضعف موجود ہوتا ہے۔ اس درجہ پر مؤمن کی روٹی خدا ہوتا ہے جس کے کھانے پر اس کی زندگی موقوف ہے اور مؤمن کا پانی بھی خدا ہوتا ہے جس کے پینے سے وہ موت سے بچ جاتا ہے اور اس کی ٹھنڈی ہوا بھی خدا ہی ہوتا ہے جس سے اس کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔ اور اس مقام پر استعارہ کے رنگ میں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ خدا اس مرتبہ کے مؤمن کے اندر داخل ہوتا اور اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتا اور اس کے دل کو اپنا تخت گاہ بنالیتا ہے۔ تب وہ اپنی روح سے نہیں بلکہ خدا کی روح سے دیکھتا اور خدا کی روح سے سنتا اور خدا کی روح سے بولتا اور خدا کی روح سے چلتا اور خدا کی روح سے دشمنوں پر حملہ کرتا ہے کیونکہ وہ اس مرتبہ پر نیستی اور استہلاک کے مقام میں ہوتا ہے اور خدا کی روح اس پر اپنی محبتِ ذاتیہ کے ساتھ تجلّی فرما کر حیاتِ ثانی اس کو بخشتی ہے۔ پس اس وقت روحانی طور پر اس پر یہ آیت صادق آتی ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ ترجمہ: پھر ہم نے اسے ایک نئی خِلقت کی صورت میں پروان چڑھایا۔ پس ایک وہی اللہ برکت والا ثابت ہوا جو سب تخلیق کرنے والوں سے بہتر ہے۔"

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 215-216)

خدا تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں جو فرقان مجید ہے فرماتا ہے کہ مؤمنوں کا نور اُن کے چہروں پر دوڑتا ہے اور مؤمن اس حُسن سے شناخت کیا جاتا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں نور ہے اور مجھے ایک دفعہ عالمِ کشف میں پنجابی زبان میں اِسی علامت کے بارہ میں یہ موزوں فقرہ سُنایا گیا۔ "عِشق الٰہی وسّے مُنہ پر ولیاں ایہہ نشانی" مؤمن کا نور جس کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے وہ وہی روحانی حُسن ہے جو مؤمن کو وجودِ رُوحانی کے مرتبہ ششم پر کامل طور پر عطا کیا جاتا ہے۔ جسمانی حُسن کا ایک شخص یا دو شخص خریدار ہوتے ہیں مگر یہ عجیب حُسن ہے جس کے خریدار کروڑہا رُوحیں ہو جاتی ہیں۔"

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 221-224)

سامعین! ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" کون سا ڈکٹیٹر ہے جو اپنے ملک کی رعایا سے ذاتی تعلق بھی رکھتا ہو۔ خلیفۂ وقت کا تو دنیا میں پھیلے ہوئے ہر قوم اور ہر نسل کے احمدی سے ذاتی تعلق ہے۔ ان کے ذاتی خطوط آتے ہیں جن میں ان کے ذاتی معاملات کا ذکر ہوتا ہے۔ ان روزانہ کے خطوط کو ہی اگر دیکھیں تو دنیا والوں کے لئے ایک یہ ناقابل یقین بات ہے۔ یہ خلافت ہی ہے جو دنیا میں بسنے والے ہر احمدی کی تکلیف پر توجہ دیتی ہے۔ ان کے لئے خلیفۂ وقت دعا کرتا ہے۔

کون سا دنیاوی لیڈر ہے جو بیماروں کے لئے دعائیں بھی کرتا ہو۔ کون سا لیڈر ہے جو اپنی قوم کی بچیوں کے رشتوں کے لئے بے چین اور ان کے لئے دعا کرتا ہو۔ کون سا لیڈر ہے جس کو بچوں کی تعلیم کی فکر ہو۔ حکومت بیشک تعلیمی ادارے بھی کھولتی ہے۔ صحت کے ادارے بھی کھولتی ہے۔ تعلیم تو مہیا کرتی ہے لیکن بچوں کی تعلیم جو اس دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی فکر صرف آج خلیفۂ وقت کو ہے۔ جماعت احمدیہ کے افراد ہی وہ خوش قسمت ہیں جن کی فکر خلیفۂ وقت کو رہتی ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں۔ ان کی صحت کی فکر خلیفۂ وقت کو رہتی ہے۔ رشتے کے مسائل ہیں۔ غرض کہ کوئی مسئلہ بھی دنیا میں پھیلے ہوئے احمدیوں کا چاہے وہ ذاتی ہو یا جماعتی ایسا نہیں جس پر خلیفۂ وقت کی نظر نہ ہو اور اس کے حل کے لئے وہ عملی کوشش کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتا نہ ہو۔ اس سے دعائیں نہ مانگتا ہو۔ مَیں بھی اور میرے سے پہلے خلفاء بھی یہی کچھ کرتے رہے۔

مَیں نے ایک خاکہ کھینچا ہے بے شمار کاموں کا جو خلیفہ وقت کے سپرد خدا تعالیٰ نے کئے ہیں اور انہیں اس نے کرنا ہے۔ دنیا کا کوئی ملک نہیں جہاں رات سونے سے پہلے چشم تصور میں مَیں نہ پہنچتا ہوں اور ان کے لئے سوتے وقت بھی اور جاگتے وقت بھی دعا نہ ہو۔"

(خطبہ جمعہ 6/جون 2014ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’پس میں پھر کہتا ہوں کہ میری باتوں کو استخفاف اور استہزاء کی نظر سے نہ دیکھیں۔ استہزاء سے کفر کا اندیشہ ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا ادب اور خوف ہونا چاہیے۔ ہر ایک عارف ان باتوں کے ہزار ہا جواب دے سکتا ہے۔ کیا چہروں میں ایسی علامات نہیں۔ ہوتیں جن کو دیکھ کر ہم ایک سعید اور شقی، بد معاش اور خوش اطوار میں تمیز کر سکتے ہیں اور پہچان لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے کہ ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ جھوٹوں کا منہ نہیں۔ اب وہ کونسا نشان تھا جو جھوٹوں میں ہوتا ہے۔ اور آپ میں نہ تھا۔ ایک امتیاز تو تھا جس کو بصیرت والا انسان دیکھ سکتا ہے۔ ایسا ابلہ اور احمق کون ہے جو نیک اور بد کو چہرہ سے دیکھ کر تمیز نہیں کر سکتا۔ مومن کا چہرہ اور ہر عضو اس کو ایک امتیاز بخشتا ہے اور اس کے باخدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت میں ایک خصوصیت ہو تو بتلاؤ اس سے کیا استبعاد لازم آتا ہے سب کچھ ممکن ہے۔

بالآخر یہ یاد رکھو کہ یہ ایک فروعی بات ہے۔ ہم کو ضرورت نہیں کہ ان باتوں میں پڑیں۔ اصول پر بحث ہونی چاہیئے۔ اصول کے اثبات پر فرع خود ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کی کیفیت اور کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا ضروری نہیں۔ دشمن اگر گفتگو کرے تو ہم اُس کو روک سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات پر، ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام وغیرہ امور ایمانی پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان سب باتوں کا ماننا اصول ہے۔ اور باقی امور اُن پر متفرع ہیں۔ اور یہ سب صفائی کے ساتھ ثابت شدہ صداقتیں ہیں۔ تعلیم اسلام ایسی صاف ہے کہ ہر قوت کو اعتدال اور عین محل پر رکھتی اور تربیت کرتی ہے اور یہ عظیم الشان معجزہ ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ دوسری تعلیمیں ایسی نہیں۔ کسی کا ناک نہیں تو کسی کے کان نہیں ہیں۔ غرض وہ ناقص اور ادھوری ہیں یا ہیں مکمل خِلقت تعلیم اسلام ہی کی ہے۔ توحید، صفات باری تعالیٰ، نبوت اور اخلاق فاضلہ، تکمیل نفس وغیرہ ضروری امور جن کا انسان محتاج ہے۔ وہ ایسے کامل اور روشن طور پر بیان ہوئے ہیں کہ ان میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں پڑتی۔ باقی امور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر کھاتے تھے؟ کتنے بڑے نوالے لیتے تھے۔ ان جھگڑوں میں پڑنے کی مومن کو کیا ضرورت ہے؟ مدار نجات ان باتوں پر نہیں ہے۔ ایسی باتیں جو تو ایمان لائیں اثر کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ اگر وہ نبوت حقہ کے خلاف نہیں بلکہ مشابہ ہیں تو ایمان لائیں ورنہ تاویل کریں۔ کچھ ضرورت نہیں کہ اس پر چُناں اور چُنیں کر کے لمبی اور فضول بحثوں میں پڑیں۔

ختم نبوت کے متعلق میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ خاتم النبیین کے بڑے معنے یہی ہیں کہ نبوت کے امور کو آدم علیہ السّلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا۔ یہ موٹے اور ظاہر معنے ہیں۔ دوسرے یہ معنے ہیں کہ کمالات نبوت کا دائرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ یہ صحیح اور بالکل سچ ہے کہ قرآن نے ناقص باتوں کا کمال کیا۔ اور نبوت ختم ہو گئی۔ اس لئے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا مصداق اسلام ہو گیا۔ غرض یہ نشانات نبوت ہیں۔ ان کی کیفیت اور کُنہ پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اصول صاف اور روشن ہیں اور وہ ثابت شدہ صداقتیں کہلاتی ہیں۔ ان باتوں میں پڑنا مومن کو ضروری نہیں۔ ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کوئی مخالف اعتراض کرے تو ہم اُس کو روک سکتے ہیں۔ اگر وہ بند نہ ہو تو ہم اس کو کہہ سکتے ہیں کہ پہلے اپنے جزوی مسائل کا ثبوت دے۔ الغرض مہر نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ نبوت میں سے ایک نشان ہے جس پر ایمان لانا ہر مسلمان مؤمن کو ضروری ہے‘‘

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 285-287)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

’’ایمان یہی ہے کہ خدائی نصرتوں کو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ جب وہ خدا تعالیٰ کی نصرتوں کو دیکھتا ہے تب اُس کا ایمان بڑھتا ہے اَور معرفت اور بصیرت کی آنکھ کھلنے لگتی ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کی نصرتوں کی چمک نظر نہیں آتی۔ اُس وقت تک یہ حالتِ تذبذب میں رہتا ہے لیکن جب اُن کی چمکار نظر آجاتی ہے اُس وقت سینہ کی غلاظتیں دُور ہو جاتی ہیں اور اندر ایک صفائی اور نُور نظر آتا ہے۔ وہ حالت ہوتی ہے جب اُس کے لئے کہا جاتا ہے۔ اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ۔‘‘

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 373)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی مومن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین